www.rahimia.org

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ السَّعِید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

اپریل 2025ء / شوال المکرّم ۱۴۴۶ھ

جلد نمبر 17، شمارہ نمبر 4 قیمت: 30 روپے • سالانہ ممبرشپ: 350 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- ملّتِ ابراھیمیہ سے روگردانی، انتہائی حماقت ہے
- غربا سے تعاون کا ثمر
- حضرت اُمِ رومان بنت عامر الکنانیہ رضی اللہ عنہا
- انسدادِ دہشت گردی کی ناکام ریاستی پالیسی کا المناک شاخسانہ
- تینوں لطائف کے ''مقامات'' و ''اَحوال'' کی حقیقت
- عثمانی سلطنت کا بانی؛ عثمان غازی
- خشک سالی کے خطرات
- عالمی سیاسی خدوخال
- دینِ اسلام کی تعلیمات اور عالمگیر مَلکُوتی نظام
- دینِ اسلام میں فلسفۂ عید الفطر کا تصور
- فلسفۂ عید؛ فرحتِ طبعی اور فرحتِ عقلی
- اسلام میں قومی عید کا تصور اور قومی خصوصیات
- حضرت مولانا مفتی عبدالقادر لغاریؒ
- امریکی ریاست و معیشت کے داخلی تضادات
- ''مَقَامُ مَحْمُوْد'' کی اشاعت
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا

شاہ عبدالقادر

رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت والاؒ نے تبلیغ (دین کے لیے وقت دینے) کی تائید میں فرمایا کہ:

''تبلیغی جماعتوں کو اگر ہو سکے (تو) بجائے کراچی وغیرہ (پُر اَمن علاقوں) کے اُن علاقوں میں بھیجنا زیادہ مقدم ہے، جہاں (ہندو مسلم) فسادات میں مسلمانوں پر زیادتی ہوئی ہے، تاکہ ان لوگوں کو بتایا جائے کہ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کے کرتوت (غلط فیصلوں) اور دین سے بے تعلقی کا نتیجہ ہے۔ (اِسے) دین سے بے تعلقی کا نتیجہ یا علت (یا) کچھ (اَور) کہو، (دراصل یہ) دین کے (حقیقی) جاننے والوں (علمائے حق) سے بے تعلقی (اور بے اعتمادی) ہے۔ اور اس طرح (یہ) لوگ ایسے (سیاسی) لیڈروں کے ہاتھوں میں پڑ گئے (اور ان کے جھانسے میں آ گئے)، جو مسلمانوں کے نادان دوست ہیں۔ (ان) بھلے مانسوں نے (اسمبلیوں کی) چند سیٹوں کے لیے ایسا (ہندو مسلم) جھگڑا چھیڑ رکھا ہے، جس کے نتائج یہ نکلے ہیں (کہ ہندوستان کے مسلمان مصیبت میں پڑے ہوئے ہیں)''۔

(۲۷/ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ/ 22/نومبر 1946ء، بروز: جمعہ، مقام: نظام الدین، دہلی)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 223، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org

Email: info@rahimia.org

www.rahimia.org

ملّتِ ابراھیمیہ سے روگردانی، انتہائی حماقت ہے

گزشتہ آیات (2-البقرہ: 124 تا129) میں بنی اسرائیل پر حجت تمام کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قرار واقعی حیثیت واضح کی گئی تھی کہ وہ انسانیت کے امام ہیں اور انھوں نے انسانیت کی ترقی کے لیے امن وامان کا مرکز، بیت اللہ الحرام تعمیر کیا۔ اور پھر اس مرکز میں اللہ کی فرماں بردار اُمتِ مسلمہ کے قیام کے لیے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد اور اُن کی ذمہ داریوں؛ تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس کے لیے دعائیں کیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کے یہود ونصاریٰ پر یہ واضح کیا کہ ابراہیمی تعلیمات کے حقیقی نمائندے، حضور اقدس ﷺ اور اُن کی اُمتِ مسلمہ ہے۔

اب ان آیات (2-البقرہ:130-131) میں دنیا اور آخرت میں **ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ** کی اہمیت، واقعیت اور حقیقت واضح کی جارہی ہے۔ اور اس عظیم الشان ملت کے انکار کے حماقت پر مبنی بُرے نتائج سے آگاہ کیا جارہا ہے۔

وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (اور کون ہے جو پھرے ابراہیم کے مذہب سے، مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو): انسان کی کامیابی اس حقیقت میں مضمر ہے کہ وہ اپنے نفس کی تہذیب کرے۔ اُس کی ترقی کے راستے میں رُکاوٹ بننے والے روزمرہ کی زندگی میں جو طبعی، نفسی، رَسمی اور بدفہمی کے حجابات پیدا ہوجاتے ہیں، انھیں دور کرے اور اپنے آپ کو سچا خدا پرست اور انسان دوست فرد کی حیثیت سے مہذب بنا کر دنیا اور آخرت میں ترقی کی منازل طے کرے۔ انسانیت کی اس تہذیبِ نفس کے لیے سچے رہنما اور امام حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، جنھوں نے خالصتاً اللہ کی طرف متوجہ کرکے نفسِ انسانی کو صیقل کرنے کا مکمل نظام اور عملی پروگرام دیا۔

ملتِ ابراہیمی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ وہ انسان انتہائی احمق اور نادان ہیں، جو اپنے نفسوں کی تہذیب کے لیے امامِ انسانیت کی عظیم ترین ملت کی پیروی نہیں کرتے، وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ انسانی ترقی کا جو راستہ **ملتِ ابراھیمیہ حنیفیہ** نے دیا ہے، اُس سے رُوگردانی کرکے تنزل اور زوال کے قعرِ مذلت میں گر جاتے ہیں۔ یہودیوں اور نصرانیوں کی یہی بُری خصلت تھی کہ ملتِ ابراھیمیہ کی اصل تعلیمات اور اعلیٰ اُصولوں میں تحریف کرکے **ملتِ طبیعین** اور **ملتِ نّجامین** کے پست افکار اور نظامِ زندگی کی باتیں یہودیت اور نصرانیت کی صورت میں دینِ حق میں داخل کردی تھیں۔ وہ لوگ انتہائی احمق ہوتے ہیں، جو ترقی یافتہ اعلیٰ نظام اور پروگرام جان اور مان لینے کے باوجود پست درجے کے نظاموں اور پروگراموں کی اتباع کرنے لگ جائیں۔ جو لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے کم تر درجے کی تعلیمات یا جاہلوں کی باتوں میں اُلجھ جائیں اور اپنی ترقی کے راستے کو روکیں، ان سے بڑا احمق کون ہوسکتا ہے؟

وَ لَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا (اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کیا دنیا میں): حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانی ترقی اور کامیابیوں کے نظام قائم کرنے کے لیے امام منتخب کرلیا تھا۔ اس دنیا کی حسنہ اور کامل ترقی اُس وقت تک ممکن نہیں، جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے طے کردہ اُمور، ان اُمور پر تشکیل کردہ عملی نظام اور اس اَساس پر بنائے گئے منطقی طریقۂ کار اور پروسیجرز پر کامل اور مکمل طور پر عمل نہ کیا جائے۔ دنیا کی حسنہ اور کامیابی کی تشریح کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں: ''حسنۂ دنیا کہ عبارت از فتح ونصرت است واتساعِ ارزاق، وآں کہ ریاستِ عالَم میانِ ایشاں باشد'' (ازالۃ الخفاء، ج:2،ص:74) (دنیا میں حسنہ کا مطلب فتح ونصرت اور رزق کا وسیع ہونا ہے، اور اس قوم کی دیگر عالمی قوموں پر ریاست کا قائم ہونا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتخاب انھی مقاصد کے لیے کیا تھا۔

وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اور وہ آخرت میں نیکوں میں ہیں): حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم الشان شخصیت کی آخرت میں حیثیت یہ ہے کہ اُن کا اللہ کے صالح اور نیک بندوں میں شمار ہوگا اور انھیں اور اُن کی ملت کو ماننے والوں کو آخرت کی حسنہ اور ترقی بھی حاصل ہوگی۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''آخرت کی حسنہ'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''وحسنہ آخرت کہ عبارت از مغفرت است ونجات ورفع درجات'' (ایضاً) (آخرت کی حسنہ کا مطلب اللہ کی جانب سے مغفرت، جہنم سے چھٹکارہ اور جنت میں درجات کی بلندی کا نصیب ہونا ہے)۔ **ملتِ ابراھیمیہ حنیفیہ** کی اصل تعلیمات کی اتباع اور پیروی سے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی ترقی اور کامیابی کا حصول ہوتا ہے، جب کہ دیگر ناقص اور سطحی ملتیں دنیا کی چند روزہ زندگی کے حوالے سے سطحی اور عارضی رہنمائی دیتی ہیں۔ عقل مندی کا تقاضا ہے کہ **ملتِ ابراھیمیہ حنیفیہ** کی دل وجان سے اتباع اور پیروی کی جائے اور اُس کے طے کردہ طریقۂ کار کے مطابق سچا اور پکا مسلمان بنا جائے۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ (یاد کرو جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ حکم برداری کر): حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ تو یہ تھا کہ اُن کے ربّ تبارک وتعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ تم پورے طریقے سے اللہ کے فرماں بردار بندے بن جاؤ۔ انسانی سلامتی کے مکمل پروگرام کی اتباع کرو۔ اپنے نفسوں کو تعلیم وتربیت کے لیے اللہ کے سپرد کردو۔

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (تو بولا کہ: مَیں حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا): اس پر انھوں نے آپ کو تمام عالَموں کے ربّ تبارک وتعالیٰ کے سامنے سپرد کرنے کا اعلان کردیا۔ اور یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی ترقی کے لیے جتنے انبیّا بھی بھیجے تھے، اُن پر نازل کردہ تمام احکاماتِ الٰہی پر دل وجان سے عمل درآمد کریں گے۔ ''لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ'' (2-البقرہ:136) (اُن انبیا کی تعلیمات میں ہم کوئی تفریق نہیں کرتے)۔ اس طرح کل انسانیت کی عالَم گیر تعلیماتِ الٰہی کا نمونہ امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ انھیں کی اتباع کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

غربا سے تعاون کا ثمر

عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: ”اِبْغُونِی ضُعَفَاءَ کُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَ تُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِکُمْ“. (سنن ترمذی، 1702)

(حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا: ”مجھے اپنے ضعیفوں اور کمزوروں میں تلاش کرو، اس لیے کہ تم اپنے ضعیفوں اور کمزوروں کی (مدد اور اُن سے تعاون کی برکت کی) وَجہ سے رزق دیے جاتے ہو اور تمھاری مدد کی جاتی ہے“۔)

زیرِ غور حدیث کی بابت چند اُمور قابلِ توجہ ہیں!

1۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے واضح کیا کہ وہ معاشرے کے کمزور اور پچھڑے ہوئے طبقات کے خیر خواہ، ترجمان اور نمائندے ہیں۔ معاشی آسودگی سے محروم طبقات کے مقابلے میں سرمایہ داروں کے پشتیبان اور حفاظت کرنے والے نہیں ہیں۔ یوں حضور ﷺ نے دینی فکر و عمل کا مزاج اور نبویؐ ذمہ داری کا رُخ متعین کر دیا۔

2۔ ایسی احادیث کو ظالمانہ معاشی نظام کے جواز کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا کہ امارت و غربت اللہ کی طرف سے ہے، بلکہ اس کے برعکس اس حدیث سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ لوگوں کی معاشی ناآسودگی نبی ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ صورت ہے۔ آپؐ معاشی طبقات کے خاتمے کے عمل کو پسند فرما رہے ہیں۔ لہٰذا جب معاشرے میں معاشی طبقات ہوں تو سرمایہ دارانہ نظام کے تسلسل کو قائم رکھنے کے بجائے کمزور طبقات اور غربا کی معاشی حالت کے سُدھار کی طرف افرادِ معاشرہ اور ملکی نظام کو توجہ دینے کی ضرورت ہے، یہ عمل قوم پر اللہ کی رحمت کا باعث بنے گا۔

3۔ ایسی احادیث بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، معاشی مساوات کا نظام قائم کرنے اور غربت کے خاتمے کی تلقین کرتی ہیں۔ عادلانہ معاشی نظام کے قیام کے بعد معروضی حالات کے تحت کچھ لوگ معاشی حوالے سے اگر کمزور رہ جائیں تو ان کی بابت رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ تمھیں اِنفرادی اور اجتماعی معاشی سرگرمیوں میں غربا اور مالی حیثیت سے کمزور لوگوں کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھیں معاشی خوش حالی نصیب کریں گے کہ اس کی مخلوق پر تم نے رحم کیا وہ تم پر رحم کرے گا۔

4۔ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمائے اور سرمایہ دار کو اہمیت اور عزت دی جاتی ہے۔ غربت کو خدائی تقسیم کا نتیجہ اور غریب کو بے وُقعت اور ناپسند کیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ اس کے برعکس رہنمائی دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں موجود غریب لوگ قابلِ توجہ اور قابلِ رحم ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ غربت اِنفرادی ہو یا اجتماعی، غلط تقسیم دولت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے اصل توجہ تقسیم دولت کے عادلانہ اور مساوی نظام کے قیام پر دینے کی ضرورت ہے۔ زیرِ غور حدیث میں نبی ﷺ نے اس امر کی راہ نمائی کی ہے کہ تم ان غریبوں کی وجہ سے ہی رزق دیے جاتے ہو اور مدد کیے جاتے ہو۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف حسن ابدال

حضرت اُمِ رومان بنت عامر الکنانیہ رضی اللہ عنہا

حضرت اُمِ رومان بنت عامر الکنانیہ رضی اللہ عنہا کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپؓ کا تعلق قبیلہ کنانہ کے خاندان ”فراس“ سے تھا۔ اہلِ سیَر میں سے کچھ کے نزدیک ان کا اصل نام ”زینب“ تھا، مگر آپؓ اپنی کنیت ”اُمِ رومان“ ہی سے مشہور ہیں۔ آپؓ کا پہلا نکاح (زمانۂ جاہلیت میں) عبداللہ بن حارث بن سنجرہ سے ہوا تھا۔ ان کی وفات کے بعد آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نکاح میں آئیں۔ صدیق اکبرؓ کے صُلب سے اُم رومانؓ کے ہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ پیدا ہوئے، جو تاریخِ اسلام کی نہایت درخشندہ ہستیاں ہیں۔

بعثت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ان چار عظیم المرتبت ہستیوں میں سے ایک تھے، جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اُمِ رومانؓ کو ابوبکر صدیقؓ کے قبولِ اسلام کا حال معلوم ہوا تو آپؓ نے بھی بلا تامل ان کی تقلید میں بیعت اسلام کی اور سابقون الأوّلون کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئیں۔

آپؓ صدق و صفا، جود و سخا، وفا شعاری اور فوز و صلاح کی طلب جیسی خوبیوں سے آراستہ اور مشہور تھیں۔ دونوں میاں بیوی میں تمام انسانی خوبیاں اور اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ اس سب کے ساتھ ساتھ یہ اشرف الخلق رسول اللہ ﷺ کی خوش دامن ہیں اور رسول اللہ آپؓ کے داماد ہیں۔ جب بھی آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لاتے تو آپؓ انتہائی خوشی و مسرت کا اظہار کرتیں اور ہر ممکن اپنے وسعت کے مطابق خرچ کرتیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: جب سے میں نے ہوش سنبھالا، ماں باپ دونوں کو ایک ہی دین کا پابند پایا۔ جب حضرت عائشہؓ کا نبی پاکؐ سے نکاح ہوا تو اُمِ رومانؓ نے اپنا شریفانہ مدبرانہ کردار ادا کیا اور اپنی بیٹی کی نہایت عمدہ انداز میں تربیت کر کے آپؐ کے ساتھ رخصت کیا۔ آپؐ نے بھی رُخصتی سے قبل ان کا خاص خیال رکھنے اور حفاظت کی تلقین فرمائی تھی۔ (ابن سعد)

آپ ﷺ کے دل میں اُمِ رومانؓ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ان کی قربانیوں کا اعتراف ان کی تدفین کے وقت آپؐ نے ان الفاظ سے کیا: ”اے اللہ! یہ بات مخفی نہیں کہ جو اُم رومان نے تیرے اور تیرے رسول کے لیے قربانیاں دی ہیں“۔ آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ: ”جو جنت کی حور العین کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ اُمِ رومان کو دیکھ لے“۔ گویا جنت کی بشارت دنیا میں ان کو ان کے کردار کی وجہ سے مل گئی۔

حضرت اُمِ رومانؓ کے سالِ وفات کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے ”اصابہ“ میں قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اُمِ رومانؓ کی وفات ۹ ہجری سے پہلے نہیں ہوئی۔ چناں چہ آپؓ کی تدفین کے لیے حضورؐ خود قبر میں اُترے اور آپؓ کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ آپؓ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

www.rahimia.org

انسدادِ دہشت گردی کی ناکام ریاستی پالیسی کا المناک شاخسانہ

پاکستان ایک بار پھر دہشت گردی کی ہولناک لہر کی لپیٹ میں ہے۔ جعفر ایکسپریس کے مسافروں کے بہیمانہ قتلِ عام اور سیکیورٹی فورسز پر پے در پے حملوں نے قوم کو سوگوار کر دیا ہے۔ ایک ایسے وقت میں، جب ملک پہلے ہی سیاسی و اقتصادی عدمِ استحکام کا شکار ہے، دہشت گردی کی نئی لہر نے ریاستی کمزوری، ناقص پالیسیوں اور اندرونی خلفشار کو بے نقاب کر دیا ہے۔ کیا ہم پھر سے انھی بھول بھلیوں میں داخل ہو رہے ہیں، جہاں سے نکلنے کے لیے ہم نے دہائیوں کا سفر طے کیا تھا؟ جعفر ایکسپریس کے مسافروں کے اغوا اور سفاکانہ قتل نے پاکستانی عوام کے دل دہلا دیے ہیں۔ دہشت گردوں کی یہ کارروائیاں محض وقتی حادثات نہیں، بلکہ ایک طویل عرصے سے جاری ریاستی پالیسیوں کا بھیانک نتیجہ ہیں۔ ہم نے ماضی میں شدت پسند عناصر کو پروان چڑھایا، ریاست نے انھیں قومی بیانیے کا حصہ بنایا، اور پھر ہم نے اڑوس پڑوس میں کیا گل کھلائے، وہ تاریخ کا حصہ ہے۔

کسی بھی معاشرے میں امن محض ایک سادہ سا تصور نہیں، بلکہ ایک سماجی معاہدہ ہوتا ہے جو انصاف، آزادی اور مساوات کے اُصولوں پر استوار ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک ایسے ریاستی نظام کا تصور دیا ہے، جہاں عوام کی فلاح و بہبود ریاست کی اوّلین ترجیح ہوتی ہے۔ جب کسی معاشرے میں انصاف ناپید ہو جاتا ہے، جب کچھ قوتیں طاقت ور ہو کر فیصلہ سازی اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہیں اور کمزور طبقے ظالم طبقوں کے ہاتھوں کچلے جانے لگیں تو وہاں دو ہی صورتیں ہوتی ہیں کہ یا تو لوگ غلامی کا طوق پہن کر اس ظالمانہ نظام کو تسلیم کر کے سرنگوں ہو جاتے ہیں، یا پھر وہاں بغاوتیں پھوٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔ امن کسی تلوار یا بندوق کے سائے میں پروان نہیں چڑھتا، بلکہ یہ عدل، دانش اور باہمی احترام کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ خوف اور جبر سے محض عارضی خاموشی میسر آتی ہے، جب کہ حقیقی امن تب ہی ممکن ہوتا ہے جب انصاف، رواداری اور مساوات کے اصولوں کو اپناتے ہوئے ایک عادلانہ سیاسی اور معاشی نظام قائم کیا جائے۔ ریاست کو سٹریٹیجک مقاصد حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی اَمن کے دشمنوں کو گود نہیں لینا چاہیے، لیکن ماضی میں ہم یہ غلطی کر چکے ہیں، جس پر اب ہمارے پچھتاوے بے کار ہیں۔

1979ء سے 2001ء تک پاکستان نے جس جہادی پالیسی کو اپنایا، اس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ افغان جہاد کو ''اسلام کی سربلندی'' کے طور پر پیش کیا گیا، حال آں کہ درحقیقت یہ ایک امریکی منصوبہ تھا، جس میں پاکستان کو محض ایک مہرے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ مذہبی جذبات کو اُبھار کر، شدت پسند عناصر کو ریاستی سرپرستی میں پروان چڑھایا گیا۔ اس وقت اگر دانش وروں اور پالیسی سازوں نے کچھ دور اندیشی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو آج ہم اس دلدل میں نہ پھنسے ہوتے۔ اگر ہم پاکستان میں بدامنی کی بنیادی وجہ (Root Cause) دیکھیں تو ہمیں یہاں ایک عرصے تک کچھ مذہبی جماعتیں ریاست کی سرپرستی میں دہشت گردی کی آبیاری کرتی نظر آئیں گی۔ کئی مذہبی جماعتیں ماضی میں جہادی عناصر کی نرسریاں رہی ہیں۔ مساجد اور مدارس کو عسکریت پسندی کے مراکز میں تبدیل کر دیا گیا تھا، جہاں نوجوانوں کے ذہنوں میں جنگ کا زہر گھولا گیا۔ ان مذہبی جماعتوں نے جہاد کو اپنی سیاست کا حصہ بنا کر اپنے لیے بھی طاقت کے دروازے کھولے اور بین الاقوامی سطح پر علاقائی قوتوں کے خلاف سامراجی دھڑے کے ہاتھ بھی مضبوط کیے۔ آج بھی یہی عناصر دہشت گردوں اور امن کے دشمنوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور ریاست ان کے خلاف کارروائی سے گھبراتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم ماضی کی غلطیوں کو دہرانا چاہتے ہیں یا تاریخ سے سبق سیکھ کر ایک بہتر راہ اپنانا چاہتے ہیں؟

ہمارے یہاں کے دانش وروں کی طالبان نوازی اور فکری دیوالیہ پن کا یہ حال رہا ہے کہ نوے کی دہائی میں جب طالبان، افغانستان میں برسرِ اقتدار آئے تو پاکستانی دانش وروں کے ایک طبقے نے انھیں ''اسلامی نظام'' کی کامیابی کا نقیب بنا کر پیش کیا۔ اس وقت یہ حقیقت جان بوجھ کر نظر انداز کی گئی کہ طالبان درحقیقت ایک سخت گیر، غیر جمہوری، قبائلی عناصر پر مشتمل مختلف جتھے ہیں جو محض عالمی استعماری قوتوں کے ایما پر آلہ کار کے طور پر تخلیق کیے گئے ہیں۔ ان کا اسلام کی انقلابی، عادلانہ اور انسان دوست تعلیمات پر مشتمل کوئی ویژن نہیں ہے۔ ان دانش وروں نے طالبان کے وحشیانہ اقدامات پر پردہ ڈال کر پاکستانی عوام کو بھی اسی فکری جال میں پھنسا دیا۔ اب جب کہ طالبان کی حقیقت پوری دنیا کے سامنے عیاں ہو چکی ہے، وہی دانش ور خاموش ہیں۔ گویا ان کے فکری دیوالیہ پن پر تاریخ نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔

پاکستان کی موجودہ پالیسی میں ایک واضح تضاد دِکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف بعض حلقوں میں طالبان کے بارے میں نرم گوشہ ہے اور دوسری طرف بعض حلقے امریکا اور مغربی طاقتوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے خلاف کارروائیاں کرنے کا عندیہ دے رہے ہیں۔ دونوں صورتوں میں نتائج پاکستان کے لیے اچھے نظر نہیں آ رہے۔ ہمارے خیال میں طالبان اور دہشت گردی کے خطرے سے نمٹنے کے لیے قومی پالیسی کو جذباتی نعروں کے بجائے عملی حکمتِ عملی پر استوار کرنا ہوگا۔ علاقائی مفادات اور سفارتی توازن کو مدنظر رکھتے ہوئے مضبوط داخلی سلامتی، مؤثر سرحدی نگرانی اور ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعاون کے ذریعے دیرپا استحکام کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے۔ مزید برآں پاکستان کی موجودہ صورتِ حال اس امر کی متقاضی ہے کہ ہم دہشت گردی کے خاتمے کے لیے روایتی طریقوں سے ہٹ کر جامع اور پائیدار حکمتِ عملی اپنائیں۔

بقیہ: صفحہ 12 پر

www.rahimia.org

افکارِ شاہ ولی اللہؒ

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

تینوں لطائف کے ''مقامات'' و ''اَحوال'' کی حقیقت

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ جب آدمی اللہ کی کتاب پر اور نبی اکرم ﷺ — اللہ تعالیٰ اُن پر صلوٰۃ وسلام بھیجے — نے جو کچھ بیان کیا ہے، پر ایمان لاتا ہے، ایسا ایمان کہ جس میں انسان کی تمام قوتیں: قلبیہ اور نفسیہ متفق ہوکر پیروی کریں اور پھر انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ایسے طور پر مشغول ہو کہ اُس کی زبان ذکر کرے، دل سے اُس کے معنی پر غور وفکر کرے اور اعضائے جسم سے شریعت پر عمل کی جدوجہد کرے اور ایک لمبی مدت تک ان تمام اعمال کو اس طرح کرتا رہے کہ تو انسان کے یہ تینوں لطائف (نفس، قلب اور عقل) اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا شربت پی لیں اور معاملہ ایسے ہوجائے جیسے خشک درخت بہت زیادہ پانی سے سیراب کر دیا جائے تو وہ پانی اُس کی ٹہنیوں میں سے ہر ایک ٹہنی میں، اُس کے پتوں میں سے ہر ایک پتے میں داخل ہوجاتا ہے۔ پھر اُس پر پھول اور پھل لگتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ کی عبودیت انسان کے ان تینوں لطائف میں داخل ہوکر اچھی طرح رَچ بس جائے۔ اور اُن تینوں لطائف کی طبعی اور پست صفات تبدیل ہوکر عمدہ ملکی صفات اُس میں پیدا ہوجائیں۔

(مقامات واَحوال کی حقیقت)

یہ عمدہ ملکی صفات:

☆ اگر ملکاتِ راسخہ کی صورت میں کچھ اس طرح اُس انسان میں پیدا ہوجائیں کہ اُس کے تمام افعال ایک ہی نہج پر مستقل طور پر کام کریں یا ملتے جلتے قریب قریب مناہج کے مطابق کام کریں تو انھیں ''مقامات'' کہتے ہیں۔

☆ اور اگر ایک روشنی کی صورت میں انسان پر آئیں، وہ کبھی اُس پر ظاہر ہوں اور کبھی مٹ جائیں، اُن صفات نے ابھی تک پختہ ہوکر اُس میں قرار نہیں پکڑا، یا وہ ایسے اُمور ہیں، جن میں مستقل ہونے کی صلاحیت نہیں ہے، جیسے خواب دیکھنا، غیبی آواز سننا، یا اور کسی کیفیت کا غالب ہوجانا، تو انھیں ''احوال'' اور ''اوقات'' کہتے ہیں۔

(''عقل'' کے مقامات)

1۔ جب عقل کے تقاضوں میں سے طبیعتِ بشریہ کے غلو کی صورت میں ایسے اُمور کی تصدیق کرنا ہے، جو عقل پر اپنی مناسبات کی صورت میں وارد ہوتے ہیں تو عقل کی تہذیب کے بعد اُس کے تقاضوں میں سے ''یقین'' ہے کہ انسان شریعت کے اُمور پر ایسا پختہ ''یقین'' رکھے گویا کہ انھیں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ جیسا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنی حالت اور کیفیت کی خبر دی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اُن سے سوال کیا تھا کہ: ''ہر ایک قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے تو تمھارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟'' تو انھوں نے جواب دیا تھا: ''گویا کہ مَیں رحمٰن کے عرش کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں''۔

(یہ حدیث حضرت زید بن حارثہؓ کے حوالے سے نہیں ہے، بلکہ حضرت حارث بن مالک اَنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ہے کہ اُن کی صبح کے وقت نبی اکرم ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ: ''اے حارثہ! تُو نے کس کیفیت پر صبح کی؟'' انھوں نے فرمایا کہ: ''مَیں نے یقیناً ایمان کی حالت میں صبح کی''۔ تو آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ: ''ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟'' تو انھوں نے عرض کیا کہ: ''میرے نفس نے دنیا چھوڑ دی۔ مَیں نے اپنی رات جاگ کر گزاری۔ مَیں نے اپنا دن سیراب ہوکر گزارا اور میری حالت یہ ہے کہ گویا کہ مَیں اپنے ربّ کے عرش کو دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا کہ مَیں جنت والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں۔ اور گویا کہ مَیں جہنم والوں کے شور وغوغا کو سن رہا ہوں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اے حارثہ! تُو مؤمن ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قلب کو نور سے منور فرمائے''۔ (الاصابہ، ج: 1، ص: 289، ومجمع الزوائد، ج: 1، ص: 57، حدیث: 189، ورواہ عبدالرزاق وابن ابی شیبہؒ)

2۔ اور جب عقل کے تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُن اسباب کی معرفت حاصل کرے کہ جن کی وجہ سے انسان پر نعمتیں آتی ہیں، یا تکلیفیں آتی ہیں تو عقل کے مہذب ہونے کے بعد اُس کے تقاضوں میں سے ''توکل''، ''شکر''، ''رضا'' اور ''توحیدِ الٰہی'' جیسے مقامات ظاہر ہوتا ہے۔

(''قلب'' کے مقامات)

''قلب'' کے اصلی طبعی تقاضوں میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر انعامات کرنے والے اور مربی کی محبت رکھتا ہے اور دشمن سے بغض اور جو اُسے تکلیف دے اُس سے ڈرتا ہے، اور جو اُسے نفع پہنچائے، اُس سے اُمید لگاتا ہے۔ تو ''قلب'' کے مہذب ہونے کے بعد اُس کے تقاضوں میں سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ''محبت'' کرے اور اُس کے عذاب سے ''خوف'' کھائے اور اُس کے ثواب کی ''اُمید'' رکھے۔

(''نفس'' کے مقامات)

اور جب نفس پر طبیعت کا غلبہ ہو تو اُس کے تقاضوں میں سے ہے کہ شہوتوں میں منہمک ہونا اور اَوچھی حرکتیں کرنا۔ جب نفس مہذب ہوجائے تو اُس کے مقامات میں سے ''توبہ''، ''زہد وتقویٰ'' اور ''نیک اعمال کی جدوجہد اور کوشش کرنا'' ہے۔

ہم نے یہ مقامات یہاں پر جو بیان کیے ہیں، اس میں ہمارا یہاں ارادہ مثال کے طور پر ''مقامات'' بیان کرنا ہے۔ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، ان تین لطائف کے مقامات ان میں بند نہیں ہیں۔ جو ذکر نہیں کیے، اُنھیں مذکورہ مقامات پر قیاس کر لیجیے۔

اسی طرح احوال، جیسا کہ ''سُکر''، ''غلبہ''، ''کھانے پینے سے لمبی مدت تک منہ موڑے رکھنا'' اور جیسا کہ خواب دیکھنا اور غیبی آواز سننا، انھیں مقامات پر قیاس کر لیجیے''۔

(ابواب الاحسان، باب: 4، المقامات والاحوال)

www.rahimia.org

اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

عثمانی سلطنت کا بانی؛ عثمان غازی

دینِ اسلام کی حکومت اور خلافت کے سیاسی تسلسل میں جہاں خلافتِ راشدہ، خلافتِ بنواُمیہ اور خلافتِ بنوعباس کی صورت میں قریش کی حکمرانی کا سلسلہ ختم ہوا تو تُرکوں کے قبیلے سے دینِ اسلام کے پشتیبان مل گئے۔ ان میں ایک نمایاں نام سلطنتِ عثمانیہ کے بانی عثمان غازی ہیں۔ ان کو ''عثمانِ اوّل'' بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے 1299ء میں سلطنتِ عثمانیہ کی بنیاد رکھی، جو تاریخ کی سب سے بڑی اور طاقت ور سلطنت؛ خلافتِ عثمانیہ کی صورت اختیار کر گئی۔ عثمان غازی کو اسلامی تاریخ میں ایک عظیم مجاہد اور بہادر حکمران کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ عثمانِ اوّل نے بازنطینی سلطنت کے خلاف کئی فتوحات حاصل کیں۔ بہت سے بازنطینی شہروں اور قلعوں کو فتح کیا۔

بازنطینی سلطنت رومی بادشاہ قسطنطینِ اعظم کے ذریعے رومی سلطنت کا مشرقی حصہ تھی۔ بازنطینی سلطنت قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کو دارالحکومت بنانے کے بعد وجود میں آئی تھی اور جو 1453ء میں عثمانی سلطنت کے ذریعے قسطنطنیہ کی فتح تک قائم رہی۔

عثمانِ اوّل کی زندگی کا مقصد صرف فتوحات حاصل کرنا نہیں تھا، اس نے حکمران بننے کے بعد 1291ء سے 1298ء تک اپنی تمام تر توجہ حکومت کے انتظام وانصرام اور استحکام کی طرف مبذول کیے رکھی۔ حکومت کے مختلف شعبے قائم کیے۔ رعایا کی فلاح وبہبود کے لیے بہت سے اقدامات کیے، لیکن اس عرصے میں دیگر تُرک سرداروں نے اس کی خاموشی کو کمزوری پر محمول کرتے ہوئے بازنطینی قلعہ داروں سے ساز باز کر کے عثمان کی حکومت پر حملے شروع کر دیے۔ اس طرح جنگ کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا، جو عثمان کی طرف سے ابتدا میں مدافعانہ تھا۔ عثمان نے نہایت جرأت و ہمت اور بہادری سے ان سب کو شکست دی اور بازنطینی قلعے فتح کیے۔

عثمان غازی میں وہ تمام اوصاف اور صلاحیتیں پائی جاتی تھیں، جو ایک مثالی حکمران کے لیے لازمی ہیں۔ اس میں ہمت وشجاعت غیر معمولی تھی۔ قیادت کا ملکہ خداداد تھا۔ اس کی عدالت میں تمام رعایا برابر تھی۔ قرونِ اولیٰ کے حکمرانوں کی طرح اس کا طرزِ زندگی نہایت سادہ تھا۔ تمام مالِ غنیمت غریبوں اور معاشی لحاظ سے کمزور لوگوں کا حصہ نکال کر باقی سب جنگ میں حصہ لینے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ وہ نہایت رحم دل اور مہمان نواز تھا۔ فیاضی اس کا خصوصی وصف تھا۔ ان خصوصیات کی وجہ سے اس کی رعایا میں پذیرائی تھی۔

''یَنی'' شہر میں اس کا جو مکان تھا، اس میں سونے چاندی اور جواہرات نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ چند عربی گھوڑے، زراعت کے لیے چند جوڑی بیل، چند بھیڑ بکریاں اور اسلحہ، یہ اس کا کل اثاثہ تھا۔ ایسے بہادر اور انسان دوست فرد کے جانشینوں کی تخت نشینی کے موقع پر جب اس کی تلوار ان کی کمر سے باندھی جاتی تو یہ دعا بھی دی جاتی کہ:

''اے اللہ! اس کے جانشین میں عثمان جیسی خوبیاں ہوں''۔

ملکی معیشت ملکی معیشت ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، اسلام آباد

خشک سالی کے خطرات

کارپوریٹ فارمنگ پروجیکٹ کے آغاز میں اس خدشے کا اظہار کیا گیا تھا کہ طاقت ور مقتدرہ اس پروجیکٹ کی کامیابی کے لیے ہر ممکن اقدامات کرے گی اور اس اثنا میں ہمارا دہائیوں سے چلتا ہوا زرعی نظام خطرات سے دوچار ہو جائے گا۔ چوں کہ یہ پراجیکٹ صاحب بہادر کا ہے، اس لیے اسے ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی سکیمیں برٹش سامراج کے زمانے سے ہی چلی آ رہی ہیں؛ جہاں اپنے وفاداروں کو نوازنے کے لیے دھیرے دھیرے دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام معرضِ وجود میں آ گیا۔ ایسا نہیں ہے کہ اعلانِ آزادی کے بعد اس انداز اور سوچ میں کچھ فرق آیا ہو۔ جیسے انگریز بہادر دریاؤں کے رُخ موڑنے کے لیے بیراج بناتا رہا، بالکل اسی طرح پاکستانی مقتدرہ نے اٹھارہ مقامات پر ایسے ہی بیراج بنائے اور یوں پانی کی تقسیم کے نظام میں عدمِ تسلسل کی وجہ سے غریب کسان، روزگار اور گھر بار سے محروم ہوتے رہے اور اندرونِ ملک چھوٹی بڑی ہجرتوں پر مجبور ہوتے رہے۔ دوسری طرف پھیلتے ہوئے شہروں کے لیے پانی کی ضروریات بھی بڑھتی چلی گئیں۔

اس سال سردیوں کے دوران بالخصوص پنجاب اور خیبر پختونخواہ کے بالائی علاقوں میں معمول سے چالیس فی صد بارشیں کم ہوئی ہیں تو پورے ملک میں تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ قوم خشک سالی کے لیے تیار ہو جائے۔ ماہرین عالمی موسمیاتی تبدیلیوں کو اس کی وجہ بتا رہے ہیں۔ ایسی تبدیلیاں تو اس عالمی نظام میں بدستور آتی رہتی ہیں، موسم ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا اور اس سب کے بیچ انسان کو اپنا رزق تلاش کرنا ہے، لیکن اس بدلتے موسمی رجحان کو بنیاد بنا کر اپنی غلطیوں سے صرفِ نظر کرنا، اس ممکنہ صورتِ حال کو مزید تباہ کن بنا سکتا ہے۔ SIFC کی زیرِ قیادت چلنے والے سرمایہ کاری کے منصوبوں پر نتائج کے اعتبار سے دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ ترقی اور کامیابی کے جو خواب بہترین دفاتر میں مہنگے ترین ماہرین Consultants کی مدد سے دیکھے گئے تھے، وہ ہنوز تعبیر سے محروم ہیں۔ اب کیا کریں؟ اس کے جواب میں چھ نہروں کا منصوبہ بنا لیا گیا ہے، جو پنجاب کی بنجر زمینوں کو سیراب کرے گا۔

اس کا اعلان ہونا تھا کہ دریائے سندھ کے زیریں میدان میں بسنے والے غریب کسان سراپا احتجاج بن چکے ہیں اور بارشوں کی کمی نے معاملات کو اَور بھی گھمبیر کر دیا ہے۔ جہاں حکومتیں بدنیتی یا نااہلی کی وجہ سے ناکام ہو جائیں، وہاں مقامی لوگوں کو بقا کی خاطر کچھ کام کر لینے چاہئیں، جیسے راجھستان کے گاؤں لپوڑیا کے لوگوں نے کیا۔ وہاں متعدد دیہاتوں نے مل کر چالیس سالوں میں بہ تدریج زیرِ زمین پانی کی سطح کو بلند کر لیا ہے اور ایک بڑے بنجر قطعہ زمین کو زرخیز اور قابلِ کاشت زمین میں تبدیل کر دیا ہے۔ ہمارے نظام نے گزشتہ پچھتر سالوں میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انھیں کسی کے جینے مرنے سے فرق نہیں پڑتا۔ ایسے میں اپنی بقا کا مسئلہ ہمیں خود اپنے ہاتھ میں لینا ہوگا۔

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

عالمی سیاسی خدوخال

سامراج نے گزشتہ صدی سے دنیا میں جنگوں کو مسلط کر رکھا تھا، ایشیا کو میدانِ جنگ بنایا ہوا تھا، جس کا اہم ترین مرکز مشرقِ وسطیٰ تھا۔ فلسطین کے علاقے میں آگ کا الاؤ بھڑکا کر پورے خطے کو جھلسایا ہوا تھا۔ ایسا کیا ہوگیا کہ رات ورات امریکا کو جنگ کی مخالفت کرنا پڑ گئی۔ جنگ ویت نام سے لے کر افغانستان، عراق، شام، لیبیا، لبنان، الجیریا اور فلسطین تک پوری دنیا کو اس کی بھینٹ چڑھایا ہوا تھا، حتیٰ کہ وہ ممالک جو کسی بھی درجے میں امریکی مؤقف کے خلاف آواز اُٹھاتے، انھیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا تھا۔

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنی ساری الیکشن کمپین اس بنیاد پر لڑی تھی کہ وہ دنیا میں اسلحے کی جنگوں کو ختم کر دے گا۔ ہزار دنوں کی یوکرین جنگ میں امریکی مقتدرہ نے بھانپ لیا تھا کہ وہ دنیا کی اُبھرتی ہوئی طاقتوں کے مقابلے میں اسلحے کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس کے اسلحہ ساز کارخانے پُرانے اور بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ ان کارخانوں کی مصنوعات بھی متروک ہو چکی ہیں۔ اسلحے کی جنگ میں طاغوت شکست کھا چکا تھا۔ عالمی منڈی میں نئی طاقتوں کا اسلحہ زیادہ فعال اور مؤثر ثابت ہوگیا ہے۔ دنیا میں قائم امریکی تنصیبات غیر محفوظ ہو چکی ہیں۔ تنصیبات کی حامل اقوام جلد ہی امریکی عسکری ساز و سامان کے اِنخلا کا تقاضا شروع کر دیں گی، جس کا عملاً آغاز عراق سے ہو بھی چکا ہے۔ بدلتے ہوئے عالمی رُجحانات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے امریکی مقتدرہ نے عوامی مقبولیت کا حامل مہرہ میدان میں اُتارا تھا۔ عوامی تأثر ایسا اُبھارا گیا کہ دنیا آج جنگوں سے تنگ آ چکی ہے، وہ جنگ سے چھٹکارا چاہتی ہے، کیوں کہ جنگ سے انسانی فطرت مسخ ہو جاتی ہے۔ اس کی ترقی کا سامان مجروح ہو جاتا ہے۔ معاشرہ فساد کی آماج گاہ بن جاتا ہے، تاکہ امریکا کا داغ دار چہرہ صاف ستھرا اور شفاف بنا کر پیش کیا جاسکے۔

جہاں تک مشرقِ وسطیٰ کا تعلق ہے، جہاں آگ کا الاؤ تیار کیا گیا تھا، پون صدی سے اس الاؤ کے گرد ایسے حکمران بٹھائے گئے جو سامراجی مقاصد کی تکمیل کے آئینہ دار تھے۔ بہ ظاہر تو وہ مسلمان تھے، لیکن عملاً طاغوت کے طفیلی اور آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ ان کے وجود کا مقصد استعماری پالیسیوں پر عمل درآمد کو یقینی بنانا تھا۔ بہ ظاہر تو عالمی سطح پر ان کی تنظیمیں بھی قائم تھیں، لیکن ان کے قیام کا مقصد عالمی سطح پر طاغوت کے خلاف اُٹھنے والی آواز کو نہ صرف غیر مؤثر کرنا، بلکہ اس کا ایسے انداز سے تدارُک مقصود تھا کہ آئندہ کوئی حریت پسند ایسی غلطی کا تصور بھی نہ کرسکے۔ اسرائیل کے بارے میں ناقابلِ تسخیر ہونے کا تأثر متعارف کروایا گیا۔ اردگرد کے ممالک پر قبضہ اور قتلِ عام کر کے خوف و ہراس کی فضا پیدا کی گئی، جس تأثر کو زائل کرنے کے لیے انسانیت کو پانی کی طرح خون بہانا پڑا۔ نصف لاکھ سے زیادہ انسانی جانوں کا نذرانہ اور سماجی ڈھانچے کی بربادی اس کے علاوہ تھی۔ اسرائیل آج میدانِ جنگ میں علاقائی طاقتوں سے شکست کھا چکا ہے۔ اس کا دفاعی حصار ناکام ہو چکا ہے۔ گریٹر اسرائیل کے قیام کا منصوبہ دم توڑتا ہوا دِکھائی دیتا ہے۔

امریکا ایک لادین ریاست ہے، اس کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہے، لیکن دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں جس کے نمائندوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال نہ کیا ہو۔ ویٹی کن سٹی کا پوپ ہو یا مسلمانوں کے مقدس مقامات کے محافظ حکمران، سب کے سب اسی کی چوکھٹ پر سرنگوں کیے ہوئے ہیں۔ اسی کے نام کی مالا جپتے ہیں۔ ہر الیکشن کے بعد امریکا میں گزشتہ ستر سالوں سے دعائیہ تقریب کا انعقاد کر کے تأثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کے ہاں مذاہب کا بہت احترام ہے۔ دوسری طرف یروشلم کو مرکز بنا کر صیہونیت' انسانوں کا بے دریغ قتلِ عام کر رہی ہے۔ عالمی عدالت — جو انھیں کی تشکیل کردہ ہے — کی طرف سے انسانیت کو قتل کرنے کے جرم میں کوئی فیصلہ آتا ہے تو ایسی عدالت کے فیصلے پر عمل درآمد کروانے کے بجائے اسی پر ہی پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم جب امریکا دورے پر آتا ہے تو اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بجائے اسے پاس بٹھا کر عزت افزائی کی جاتی ہے۔ حال آں کہ یہی وہ شخص ہے جس کے ہاتھ لاکھوں انسانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ ایک طرف اس کے ساتھ ہمدردی جتائی جاتی ہے کہ امریکا غزہ کا کنٹرول خود سنبھالے گا، دوسری طرف اقوامِ عالم کا ردِعمل دکھا کر اپنی تجویز سے پیچھے ہٹنے کا عندیہ بھی دیا جا رہا ہے۔ ایران اور اس کی معاون طاقتوں نے امریکا اور اس کے گماشتوں کے غرور اور تکبر کا سر خاک میں ملا دیا ہے۔ اس سے پہلے امریکا اور اس کی سیکیورٹی ایجنسیاں دنیا کے تاجروں کے مال کے تحفظ کی ضمانت فراہم کیا کرتی تھیں، آج حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ سمندروں میں گزرنے والے جہازوں پر لدے ہوئے اپنے مال کی خود حفاظت سے بھی بے بس اور لاچار دکھائی دیتے ہیں۔

بشارالاسد بنیادی طور پر ایک ڈاکٹر ہے، جس نے اپنے بھائی بسل الاسد کی 1994ء میں کار حادثے میں اَلم ناک موت کے نتیجے میں حادثاتی طور پر عنانِ اقتدار سنبھالا تھا۔ اس کا سارا عرصۂ اقتدار کھنچا تانی میں گزرا۔ اس کی حکومتی بے بسی کی انتہا تھی کہ جب 2015ء میں استعماری طاقتوں کے خلاف روس سے مدد لینے ماسکو پہنچ جاتا ہے۔ بہ ظاہر تو اس کا قدم قومی مفاد میں ریاستی ڈھانچے کی حفاظت تھا، لیکن بہ نظرِ عمیق اپنی نااہلی کا بھی اظہار تھا۔ دنیا کی اُبھرتی ہوئی طاقتوں نے اپنی ٹیکنالوجی اور بہترین حکمتِ عملی سے دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ ان کا طریقۂ پیداوار اور استعمال کی حکمتِ عملی کا آج کی دنیا میں کوئی ثانی نہیں۔ امریکا نے جو ٹیکنالوجی 600 ملین ڈالر کے خطیر سرمائے سے تیار کی تھی، چین نے وہی نہیں، بلکہ اس سے بہتر اور کم قیمت پر تیار کر کے بنی نوعِ انسانیت کے لیے بلامعاوضہ وقف کر دی ہے، جس نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں صیہونیت کے مرکز اور یورپ میں ان کے تمام تر جنگی اقدامات' ناکامی سے دوچار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی صدر نے یوکرینی صدر کو کہا ہے کہ وہ فتح و شکست سے ہٹ کر امن مذاکرات کے لیے راہ ہموار کرے، جس نے زیلنسکی کے خوابوں پر اوس ڈال دی ہے۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

دینِ اسلام کی تعلیمات اور عالمگیر مَلَکُوتی نظام

۳۰ رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ/21 اپریل 2023ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: ''معزز دوستو! دینِ اسلام کی تمام تعلیمات – خواہ کسی بھی شعبے سے متعلق ہوں – کے ذریعے سے انسان کا ربط اور تعلق عالم گیر مَلَکُوتی نظام سے قائم ہوتا ہے، تاکہ انسان کی ملکی روح، ملکوتی نظام سے وابستہ ہوکر اُس کی ہدایات اور اُس کے ڈسپلن کے تحت زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سیکھے، اس میں شعور اور مہارت پیدا ہوجائے۔ اس میں اس کی تربیت آجائے کہ وہ بھی اُس ملکوتی نظام کی طرح ایک سسٹم کے تحت کام کرنے، ایک ڈسپلن کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عادی ہوجائے۔

رمضان المبارک میں روزے رکھنے کا نظام دیا گیا کہ جس میں انسان بھوک پیاس برداشت کرتا ہے، اس کے نتیجے میں انسان کی فرشتوں سے مناسبت پیدا ہوتی ہے کہ جو نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ انھیں کوئی جنسی خواہش ہے۔ اسی طرح اس ماہ میں نظامِ قیامِ لیل کے ذریعے قرآن حکیم سے ربط اور تعلق کا بھی ایک نظام دیا گیا ہے، تاکہ ایک سچا مسلمان اس قرآن کے ساتھ اپنا رشتہ اور ربط پیدا کرکے اُس ملکوتی نظام کے ساتھ وابستہ ہو۔ بیس رکعتوں کے ساتھ تراویح کا ایک کامل اور مکمل نظام استوار کیا کہ کم از کم ایک پارہ/سوا پارہ روزانہ قرآن حکیم کی تلاوت یا سماعت کرے، اور پھر اس تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد ترویحے کا انتظام کیا گیا۔ اور ترویحے میں جو دعا سکھائی گئی، وہ ملکوتی نظام سے وابستگی اور تعلق کے تناظر میں ہے۔

اسی طرح رمضان المبارک کی ایک اہم ترین سرگرمی نظامِ اعتکاف ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر گھٹنے ٹیک کر ایک جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح رمضان کے نظام میں ایک اہم ترین عمل نظامِ دعا ہے، جس کے مختلف اُمور نبی اکرم ﷺ نے ادعیات کی صورت میں واضح کیے ہیں۔

اس پورے نظامِ عبادات کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کو اُستوار کرنے کے لیے قرآن حکیم نے ایک اَور نظام بھی خاص طور پر اس رمضان المبارک کے اختتام پر دیا ہے، جسے ''نظامِ عید'' کہا جاتا ہے۔ کسی بھی دین کی جامعیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں کام کے اوقات بھی متعین کیے جائیں اور چھٹی اور تعطیل کے اوقات بھی ہوں۔ اُس میں اگر نفس پر مجاہدے کے تناظر میں کوئی سختی اور مشقت ہو تو اُس کے لیے آسانی کا نظام بھی ہونا چاہیے۔ وہ نظام صحیح نہیں ہوتا، جس میں صرف کام ہی کام ہو۔ مشقت ہی مشقت ہو۔ اس لیے رمضان المبارک کے آخر میں عیدالفطر کا دن رکھا گیا، جو چھٹی اور آسانی و مسرت کا دن ہے۔ عید کا بھی ایک مکمل نظام نبی اکرم ﷺ نے واضح کیا ہے اور عید کے اس نظام کی بھی ملکوتی نظام کے ساتھ وابستگی کرائی گئی ہے''۔

دینِ اسلام میں فلسفۂ عیدالفطر کا تصور

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''رمضان المبارک کے بعد عیدالفطر سے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''تاکہ تم گنتی پوری کرلو اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو''۔ (2-البقرہ:185) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اُنتیس کی رات کو ہلالِ شوال دیکھو! نظر آجائے تو ٹھیک ہے، اور اگر نہیں تو پھر تم تیس روزے (کی گنتی) مکمل کرو''۔ (صحیح مسلم، حدیث:1080) آج الحمدللہ! آپ کا تیسواں روزہ ہے، اس لیے کہ کل چاند نظر نہیں آیا۔ تو تیس روزے مکمل ہوگئے۔ جب یہ گنتی مکمل ہوگئی تو اب نظامِ عید شروع ہوجاتا ہے، اس کے لیے دین میں یُسر (آسانی) کی اَساس پر خوشی اور مسرت کا ''عیدالفطر'' کا دن مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے بھی اُمور واضح کرکے نظام متعین کردیا کہ اس عیدالفطر میں آپ لوگوں نے یہ بنیادی کام کرنے ہیں۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ کی تکبیر بلند کرو: اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، وَلِلّٰہِ الْحَمْد. عید کا چاند نظر آنے سے لے کر امام کے خطبہ عید کے مکمل ہونے تک جب بھی وقت ملے، اس تسبیح کو کثرت سے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ عیدالفطر کے دن نماز کے لیے آتے ہوئے بھی تکبیرات پڑھیں گے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آہستہ آواز میں، جب کہ امام شافعیؒ وغیرہ کے ہاں یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیرات پڑھیں، تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ آج عید ہے اور اللہ کی بڑائی کا اعلان ہے۔

عید کے بارے میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: عید کا تعلق خوشی، فرحت اور مسرت سے ہے۔ جب آدمی ایک مشقت برداشت کرتا ہے، ایک ذمہ داری پوری کرتا ہے تو اُس کو تعطیل بھی ملنی چاہیے، وقفہ ملنا چاہیے۔ اور جو وقفہ ہے، وہ فطر کا ہے۔ اس لیے اس دن روزہ رکھنے کی ممانعت کردی گئی کہ یہ کھانے پینے کا اور فرحت کا دن ہے۔ اس دن کا آغاز نماز سے ہوگا۔ فجر کی نماز کے بعد کوئی نفل پڑھنا ممنوع ہے۔ نہ مسجد میں، نہ کسی اَور جگہ۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے باہر جا کر عیدگاہ کے اندر نماز پڑھاتے تھے۔ اس لیے ایک بڑا اجتماع ہونا ہے اور اس پورے شہر کے تمام لوگ ایک جگہ پر شہر سے باہر جا کر عید پڑھیں گے۔ اس اجتماع میں تمام لوگوں کو آنا ہے۔ مرد، بچے اور موقع موجود ہو اور علاحدہ سے انتظام ہو تو خواتین بھی شرکت کریں۔ گیدرنگ ایسی نہیں ہونی چاہیے کہ مرد و خواتین اکٹھے ہوں۔ اس اجتماع میں تکبیرات کے ذریعے سے اللہ کا شکر ادا کرنا ہے، تاکہ حظیرۃ القدس اور ملکوت کے نظام سے انسان وابستہ ہوجائے۔

اس کے لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ دو دن (عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) ہماری عید ہے''۔ (صحیح بخاری، حدیث:952) سال بھر میں دینِ اسلام کے نظام میں یہ دو ایسی تعطیلات ہیں، جو محض تعطیل نہیں، بلکہ فرحتِ طبعی اور فرحتِ عقلی کی اَساس پر اُس مَلَکُوتی نظام سے رابطے کا ذریعہ ہیں''۔

www.rahimia.org

فلسفۂ عید:
فرحتِ طبعی اور فرحتِ عقلی

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’عید الفطر فرحت اور مسرت کا دن ہے۔ فرحت اور خوشی دو طرح سے ہوتی ہے: فرحتِ طبعی اور فرحتِ عقلی۔ طبعی فرحت تو یہ ہے کہ عید کی نماز کے لیے آؤ تو کچھ نہ کچھ میٹھا کھا کر آؤ۔ کیوں کہ پہلے سحری میں کھانا کھاتے تھے۔ اب سحری کا کھانا تو نہیں ہے، بلکہ عید کی نماز کے لیے آنا ہے تو کچھ میٹھا ضرور کھا کر آؤ۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اَور نہیں تو چند کھجوریں کھا لی جائیں۔ فرد کی ذاتی خواہشات کی تکمیل بھی طبعی فرحت میں شامل ہے۔ اسی طرح فرحتِ طبعی اور جسمانی خوشی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کو اپنی خوشی میں شریک کرے۔ اس لیے فطرانہ دینے کا حکم دیا گیا۔ غریبوں پر مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ جو یتیم بچے ہیں، اُن کو حوصلہ دینے، جو کمزور خاندان ہیں، ان کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانے، اُن کو مبارک باد دینے، اُن کی خدمت کرنے، اُن کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ مسرت تبھی ہوگی کہ جب فردٗ خاندان میں پیار و محبت پیدا کرے۔ خونی رشتہ دار کے ساتھ مسرت کا اظہار کرے۔ اسی طرح قبیلہ، برادری، محلّہ، شہر، ریاست اور سوسائٹی، تمام کے ساتھ میل جول کرے۔ یہ نہ ہو کہ عید کے روز گھر میں بند ہو کر صرف کھائے، پیے اور عیاشی کرے۔

فرحتِ عقلی یہ ہے کہ انسان حریت کی حالت میں ہو، غلام نہ ہو۔ غلام کا دماغ آزاد نہیں ہوتا ہے۔ اس کی عقل بھی غلام ہوتی ہے، اس کی سوچ بھی غلام ہوتی ہے۔ عقلی خوشی تب ہوتی ہے کہ جب آزادی ہو، پاکیزگی ہو، وقار ہو، عدل و انصاف اور امن و امان کا نظام ہو۔ انسان اپنے فیصلے خود کر رہا ہو۔ اور اگر آدمی کسی دوسرے کے کہنے پر فیصلے کرے، دوسروں کا غلام بن کر کام کرے تو پھر عقلی مسرت کیا ہوئی؟ ذہنی مسرت کیا ہوئی؟ وہ تو سوائے ذہنی پاگل پن کے اَور کچھ نہیں کہ غلام غلامی پر خوش ہو۔

پچھلے تین سو سال سے تم مسلمان غلام ہو؛ برطانوی سامراج کے، امریکی سامراج کے، تو غلامی کی حالت میں عید کا کیا مطلب؟ ایسے حالات میں فرحتِ عقلی کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ جسم بے شک تمھارے دوسروں کی قید میں ہیں، لیکن تمھارے ذہن کی پرواز ملکوتی نظام کے ساتھ وابستہ ہو۔ وہ ان زنجیروں کو توڑنے کے لیے پُرعزم ہو، جس نے انسانیت کو جکڑ رکھا ہے۔ شرح صدر ہو کہ پورے ظالمانہ سسٹم کو توڑنا ہے۔ پھر تو عقلی خوشی ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ذہن بھی غلام، جسم بھی غلام، تو کس بات کی خوشی؟ وہ تو قید کے اندر ذہنی غلامی اور پژمردگی میں ہے۔ اس کے اندر تو پستی ہے۔

فرحتِ عقلی کے لیے حریت کا ہونا، عدل و انصاف کا ہونا، امن و امان کا ہونا، ملکوتی نظام سے قلبی تعلق کا ہونا اور اُس کو اُن تمام نظاموں پر غالب سمجھنا ضروری ہے، جو ارضیاتی یا فلکیاتی نظاموں پر بنائے ہوئے ہیں۔ سرمایہ داری ہو، سوشلزم ہو، کوئی فرسودہ رجعت پسند یہودیت، عیسائیت، ہندومت ہو، پست قسم کے تصورات و خیالات ہوں، اُن پر اپنے نظریے کی عقلی بلندی، منطقی بالادستی، سائنٹفک انداز میں اُس کو مکمل طور پر غالب کرنے کے نقطہ نظر سے ہو تو پھر تو عقل کو خوشی ہوگی۔ اور اگر یہ نہیں تو پھر عقلی خوشی کیا ہوئی؟‘‘

اسلام میں قومی عید کا تصور
اور قومی خصوصیات

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’حضور ﷺ نے جملہ ارشاد فرمایا ہے: ’’لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدٌ‘‘ (ہر قوم کی ایک عید ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ عید قومی ہوتی ہے۔ عید بین الاقوامی نہیں ہوتی۔ دین بین الاقوامی ہے۔ عید، رمضان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، یہ سب قومی ہوتے ہیں۔ سوائے ایک حج کی عبادت کے، جس کا تعلق مکہ مکرمہ کے اوقات سے ہے، کیوں کہ یہ اُس جگہ کے ساتھ خاص ہے۔ مکہ مکرمہ میں آٹھویں، نوویں، دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحج میں آٹھویں سے جو منیٰ جانے کا معاملہ شروع ہوتا ہے تو یہ آٹھویں وہ ہوگی، جو سرزمینِ مکہ کی ہے۔ دنیا میں کہیں اَور جو تاریخ بھی ہو۔ البتہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور عید قومی ہے۔ روزے کا تعلق جن ملکوں کے اوقات سے ہے، اُن اوقات کے مطابق چاند نظر آئے گا تو وہاں رمضان شروع ہوگا۔ اب ایک جگہ چاند نظر نہیں آیا، اور کہا جائے کہ جی فلاں ملک میں نظر آ گیا ہے، اس لیے اب ہم بھی عید منائیں یا روزہ رکھیں، یہ غلط ہے۔ کیوں کہ ہر ملک کا چاند اور سورج اپنا اپنا ہے۔ جب سورج اپنا اپنا ہے، چاند اپنا اپنا ہے، زمین اپنی اپنی ہے، پانی اپنا اپنا ہے تو عبادات عالمی کیسے ہو سکتی ہیں؟ وہ بھی قومی ہوں گی۔

آپ ہی بتائیں کہ دنیا کا مادی نظام بھی کیا کرۂ ارض کی قومی خصوصیات کی بنیاد پر نہیں بنتا؟ آپ جتنے سائنسی تجربات کرتے ہیں، جتنے فلکیاتی تحقیقات کرتے ہیں، کیا اُس کا تعلق پوری دنیا کے حوالے سے یکساں ہے؟ امریکا کی زمین، برطانیہ کی زمین، فرانس کی زمین، کشمیر کی زمین، آسٹریلیا کی زمین، ہندوستان کی زمین، سعودی عرب کی زمین، جہاں کے جیسے ذخائر ہیں، جیسے معدنیات ہیں، اُن کے تناظر میں نظام بنے گا۔ کوئی بھی نظام جب عملی طور پر بنتا ہے تو وہ قومی حکمتِ عملی کی بنیاد پر ہوتا ہے، علاقائی ہوتا ہے، اپنے قومی سرزمین کے دائرے سے متعلق ہوتا ہے۔

اسی سے قومیت کا دائرہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قومی نظام ہی انسانیت کے لیے فطری ہوتا ہے۔ اور جب اُسے مسخ کر کے پوری دنیا پر امریکا کی حکمرانی قائم کر دو، چین کی حکمرانی نافذ کر دو، ملکوں کی اپنی قومی شناختیں مسخ کر دو۔ اُن کی روایات ختم کر دو۔ اُن کے مذاہب ختم کر دو۔ ایسا درست نہیں۔ اللہ نے اسلام۔ جو کل انسانیت کا دین ہے — کو بھی اس طرح غالب کرنے کا حکم نہیں دیا کہ باقی سب قومی شناختیں مٹ جائیں۔

اس لیے عید کا نظام، روزے کا نظام اور جتنے بھی نظامِ عبادات ہیں، وہ اپنے اپنے دائرے کے اعتبار سے قومی ہیں اور ان سب کا مقصد انسان کو ملکوتی نظام سے وابستہ کرنا ہے۔ اس لیے ملکوتی نظام کو سمجھنا اور اپنے اعمال کو اُس نظام کے ساتھ پختگی سے، عزم سے، ارادے سے، شعوری طور پر وابستگی اختیار کرنا اور اُسے سمجھ کر اُن غلط نظام ہائے حیات سے برأت کا اعلان کرنا، جو ناقص اور ادھورے ہیں۔ اپنے قومی بیانیے پر، اپنے دینی نظریے اور اپنے ملکوتی شعور پر اعتماد کا ہونا، یہ ایک مسلمان کا قیمتی اثاثہ ہے‘‘۔

www.rahimia.org

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا مفتی عبدالقادر لغاریؒ

سندھ دھرتی ان حریت پسندوں کو ہمیشہ یاد رکھے گی، جنھوں نے اس کی آزادی کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کردیں۔ انھیں شخصیات میں امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا کردار ایسا ہے کہ جنھوں نے سندھ دھرتی کے سپوتوں کو حقیقی آزادی سے روشناس کرا کر انھیں عملی میدان میں کام کرنے کی جانب رہنمائی بھی فرمائی۔ امامِ انقلابؒ کے شاگردوں میں ایک نام، حضرت مولانا مفتی عبدالقادر لغاریؒ کا بھی ہے۔

مولانا مفتی عبدالقادر لغاریؒ 1895ء کو گوٹھ میاں بخش لغاری (میرپور ماتھیلو، ضلع گھوٹکی) میں خیر محمد خان لغاری کے ہاں پیدا ہوئے۔ اَجداد کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے تھا۔ اوّل سرحدی گاؤں ''گوٹھ داؤد والا'' میں سکونت اختیار کی، بعدازاں خاندان کے ایک بزرگ بخشی خان کے نام سے ''گوٹھ میاں بخش لغاری'' آباد کیا۔ گھریلو ماحول علمی تھا، جس سے تعلیم و تدریس کا شوق پیدا ہوا۔ قرآنِ حکیم اور فارسی زبان کی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ آپؒ کے والدِ گرامی نے مزید تعلیم کے حصول کی غرض سے انھیں مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو (حیدرآباد) جانے کا حکم دیا۔

مدرسہ دارالرشاد ان دنوں میں دینی تعلیم کے فروغ میں ایک خاص اہمیت اختیار کرچکا تھا۔ طول و عرض سے طلبا یہاں تعلیم حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ گوٹھ پیر جھنڈو میں آپؒ کی ملاقات امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے ہوئی۔ اس ملاقات کے بعد آپؒ امامِ انقلابؒ کے گرویدہ ہوگئے۔ 1913ء میں مولانا موصوفؒ کے ایک بزرگ مولا بخش لغاریؒ نے سانگھڑ کے قریب باگوڑو میں ''گوٹھ مولا بخش'' کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا تو آپؒ کا خاندان وہاں منتقل ہوگیا۔ وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ 1916ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔ آپؒ کے ساتھ دیگر طلبا میں مولوی رحیم بخش سومرو (شکارپور)، حافظ محمد قاسم منور، حافظ محمد ابراہیم منگیو (سکرنڈ) اور حافظ مولا داد بروہی (نواب شاہ) وغیرہ شامل تھے۔ آپؒ تعلیم سے فراغت کے بعد ''دارالرشاد'' ہی میں مدرّس کے طور پر ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ اس دوران تعلیم و تدریس میں بہت محنت سے کام کیا اور بعدازاں اس مدرسہ کے مہتمم بھی مقرر ہوئے۔

تعلیم کے دوران ہی امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی رہنمائی میں ولی اللّٰہی سیاسی نظریات سے آگاہی حاصل ہوئی۔ جب مولانا عبیداللہ سندھیؒ 1915ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل روانہ ہوگئے تو اس کے بعد بھی مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے سیاسی مکتبۂ فکر کے ایک عالم اور سیاست دان کے طور پر کردار ادا کرتے رہے۔ 1920ء میں ''تحریکِ خلافت'' میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سندھ دھرتی کی دیگر سیاسی شخصیات کے ساتھ مل کر اس تحریک کو سندھ کے دیگر علاقوں میں بھی عام کیا اور اس کی شاخیں قائم کرنے میں بھرپور تعاون کیا۔

جب پورے ہندوستان میں تحریکِ عدمِ تعاون اور ترکِ موالات کا سلسلہ جاری ہوا تو اس دوران سندھ کے علما کی ایک جمعیت نے ایک فتویٰ جاری کیا، جس میں ہر خاص و عام کو عدمِ تعاون کی اس تحریک میں حصہ لینے کی تلقین کی گئی تھی۔ اس جاری شدہ فتویٰ کی تیاری میں بھی آپؒ کا تعاون تھا۔ اس فتویٰ پر آپؒ نے خود بھی دستخط کیے اور جاری کیا۔

ایک عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے علاقے میں آپؒ کا ایک خاص مقام تھا۔ نہ صرف یہ کہ گوٹھ پیر جھنڈو اور اس کے اطراف میں، بلکہ سانگھڑ اور میرپور خاص میں بھی آپؒ کے علمی مرتبے کی وجہ سے قدر و منزلت حاصل تھی۔ آپؒ جمعیت علمائے ہند سے بھی وابستہ رہے۔ اس سلسلے میں سندھ کے علما سے مستقل رابطوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آپؒ ہی کی مسلسل کاوشوں سے جمعیت علمائے ہند کی ایک شاخ، میرپور خاص میں قائم ہوئی۔ مولانا موصوفؒ اس شاخ کے بانی ناظم مقرر ہوئے۔

1939ء میں حج کی غرض سے جب دوسری بار حجاز تشریف لے گئے، وہاں ایک بار پھر آپؒ کی ملاقات امامِ انقلابؒ سے مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ اس دوران بھی امامِ انقلابؒ سے علمی نشستیں ہوتی رہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو یوں تو جنوری 1939ء کو ہندوستان واپس آنے کے لیے پاسپورٹ مل چکا تھا، لیکن حج کی وجہ سے 7/مارچ 1939ء کو واپس تشریف لائے تو مولانا عبدالقادر لغاریؒ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ سی آئی ڈی کی وجہ سے حجاز سے روانگی سے قبل امامِ انقلابؒ اور مولانا عزیز احمدؒ نے مولانا موصوف کو کچھ اہم کاغذات دیے تھے کہ انھیں سنبھال کر رکھیں۔ ان میں ''التّمھید'' اور تفسیر القرآن کے علاوہ کچھ دیگر رسائل بھی تھے جو مولانا موصوفؒ کے ذریعے ہندوستان بہ حفاظت پہنچ سکے تھے، جس کی وجہ سے حضرت سندھیؒ ان سے بہت خوش ہوئے۔ وطن واپس آنے کے بعد حضرت سندھیؒ کے پیشِ نظر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات کو سکھانے کے لیے ''بیت الحکمت'' کا قیام تھا، اس لیے ایک مرکز پیر جھنڈو میں بھی قائم کیا گیا تھا۔ اس مرکز کے قیام میں مولانا موصوفؒ نے دیگر رُفقا کے ساتھ مل کر بھرپور کردار ادا کیا۔ حضرت سندھیؒ کی خواہش تھی کہ یہاں ''بیت الحکمت'' کا مستقل ادارہ قائم کیا جائے اور ''محمود نگر'' کے نام سے ایک بستی بسائی جائے۔ 3 سالوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد تنظیمی، تربیتی اور انتظامی اُمور کی سرانجام دہی کے لیے دیہہ مناہی، تعلقہ ہالہ میں ایک قطعہ زمین حاصل کیا گیا۔ زمین کا یہ ٹکڑا بھی مولانا عبدالقادر لغاریؒ ہی کی کاوشوں کی وجہ سے حاصل ہوسکا تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ''جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی'' قائم کی تو مولانا موصوفؒ نے اس میں بھی شمولیت اختیار کی اور سیاسی خدمات سرانجام دیں۔ 1947ء کے بعد عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی اور سانگھڑ میں مستقل اقامت اختیار کی۔ انھوں نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب ''امام شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک'' کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا جو کہ 1975ء میں شائع ہوا۔ اس کے چند دنوں بعد ہی ۵/رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ/12/ستمبر 1975ء کو 82 سال کی عمر میں داعیٔ اَجل کو لبیک کہا کہ جیسے آپؒ اس کتاب کے چھپنے ہی کا انتظار فرما رہے ہوں۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے اس پکے اور سچے عاشق کی آخری آرام گاہ کپوری قبرستان (سانگھڑ) میں ہے۔

www.rahimia.org

تحریر: سلمان فاروق، راولپنڈی

امریکی ریاست و معیشت کے داخلی تضادات

سن 313 عیسوی میں رومی سلطنت کے حکمران کانسٹنٹین نے خود ساختہ عیسائیت کو بہ طورِ مذہب کے تسلیم کیا اور بعد ازاں اس خود ساختہ مذہب کو اختیار بھی کر لیا۔ یوں چرچ کے ادارے کو ریاستی اُمور میں شامل ہونے کا راستہ میسر آ گیا۔

مؤرّخین کے مطابق یہ ایک سیاسی فیصلہ تھا، جس کا مقصد رُوم کی سلطنت کے داخلی انتشار کو رفع کرنے کے لیے اَخلاقی قوت کو اپنے ہاتھ میں لینا اور عیسائی مذہب کی تبلیغی قوت کو سلطنت کے حق میں استعمال کرنا تھا۔ اَخلاقی قوت اور تبلیغی صلاحیت کے حامل چرچ کے ادارے نے انتظامی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کیا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سلطنت کے اختیارات' کلی طور پر چرچ کے ہاتھوں میں چلے گئے۔

چرچ' ریاستی حدود و قیود و عمل داری (jurisdiction) کی پابندی سے بالاتر تھی، جب کہ شہنشاہ بہر حال ریاستی حدود و قیود کا پابند تھا۔ اس طرح چرچ کا اثر پورے یورپ پر سیاسی معاشی اور سماجی طور پر قائم ہو گیا۔ یورپ کے بادشاہوں کا تقرر چرچ کی آشیر باد سے ممکن ہوتا تھا۔ شروع شروع میں چرچ کا تصور بہ طور ادارے کے نہ تھا، بلکہ اختیارات کو افراد میں منحصر سمجھا جاتا تھا اور زمین کی ملکیت جو اس دور میں ریاستی طاقت و قوت کا سرچشمہ تھی، وہ کسی پوپ یا بشپ کے نام وقف ہوتی تھی اور اس پادری کی وفات پر تمام زمینیں بادشاہ کو منتقل ہو جاتی تھی، لیکن پھر اپنی املاک کی حفاظت کے لیے ان پادریوں نے چرچ کو بہ طورِ ادارہ تسلیم کرا لیا اور یوں کوئی بڑا جاگیردار جب اپنی زمینیں چرچ کو وقف کرتا تھا تو چرچ اسے اگلی دنیا میں جنت کا پروانہ عطا کر دیتا تھا اور چرچ بہ طور ادارہ کے وجود میں آنے کے بعد زمینیں چرچ کی ملکیت رہنے لگی۔ ہوتے ہوتے وہ بادشاہ سے زیادہ چرچ کی معاشی اور سیاسی طاقت کی حامل بن گئی۔ ریاست نے جس خود ساختہ مذہب کو اپنے مقصد کے لیے پروان چڑھایا تھا، وہی اب اس کے اختیار کا مالک بن چکا تھا اور سلطنت کا وجود چرچ کے قائم رہنے پر منحصر تھا۔

محققین کے مطابق چرچ کے طرز اور اسی تصور پر بننے والا اگلے دور کا ادارہ ''لمیٹڈ کمپنی'' ہے۔ کمپنی کی ساخت ایک چرچ کی مانند ادارے کی شکل میں ایک لیگل پرسن یعنی ایک ''قانونی فرد'' کی ہے، جس کا وجود فزیکلی تو نہیں ہے، لیکن قانون اس کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ سب سے پہلے یہ تصور برطانوی قانون میں نظر آتا ہے، جہاں شروع میں چارٹر کمپنیاں اور بعد میں پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیاں بنانے کی اجازت اس دور میں دی گئی جب کہ تاجر طبقہ بادشاہ سے تجارت کے حقوق منوا رہا تھا اور نئے دور میں ریاست کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے نئے میثاق کی ضرورت تھی۔

یہ لمیٹڈ کمپنیاں ریاستی حدود و قیود سے آزادی کی خواہاں رہیں۔ بالکل اس طرح جیسے یہ مقام چرچ کو حاصل رہا۔ چرچ کی طرح معاشی اور سیاسی طاقت کا ارتکاز رکھنے کے باوجود ریاستی اُمور کی جواب دہی ان کے ذمے نہ تھی، یعنی لمیٹڈ لائبلٹی (Limited Liability) کی حامل اور کمپنی کا وجود چرچ کی طرز پر ایک قانونی فرد (legal entity) کے طور پر بھی مان لیا گیا۔ ریاستوں کو تو ریاستی عمل داری (jurisdiction) اور اقتدارِ اعلیٰ (sovereignity) کے تصور سے محدود کر دیا، لیکن کمپنیوں کو چرچ کی طرز پر ان دونوں تصورات سے ماورا کر دیا گیا۔

چرچ کا انحصار زیادہ تر زمینوں کی ملکیت پر تھا اور ان لوگوں کی محنت پر جو زمینوں پر کام کرتے تھے، نئے دور کے معاشی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ایک نئے ادارے کی ضرورت تھی جسے لمیٹڈ کمپنیوں نے پورا کیا۔ نئے دور کی معاشی قدریں نئے دور کا مذہب ٹھہریں۔ کمپنیوں کے ''قانونی نظام'' نے چرچ کے مذہبی ''اَخلاقی نظام'' کی جگہ لے لی اور ''زر'' کو بہ طورِ خدا کے تسلیم کر لیا گیا۔

آج امریکا انھی معاشی قدروں اور کمپنیوں کو بچانے کے لیے محصولات کی جنگ میں ملوث ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح چرچ کا تحفظ ریاست کے تحفظ کی ضمانت تھا۔ آج امریکا کی خام خیالی ہے کہ لمیٹڈ کمپنیوں کو محفوظ بنا کر ریاستی وجود کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ ان لمیٹڈ کمپنیوں نے جن کو آج کے دور میں ''ملٹی نیشنل'' یا ''ٹرانس نیشنل'' کمپنیوں کے طور پر جانا جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے نیولبرلزم (neo liberalism) کے تصور کے تحت امریکا سے ہجرت اختیار کی اور چائنہ میں سکونت اختیار کی، تاکہ چائنہ کی کم اُجرتی لیبر کا فائدہ اُٹھا کر امریکا اور یورپ کے امیر ممالک میں زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جا سکے۔

وقت کے ساتھ ساتھ چائنہ نے ریاستی طاقت کے بل بوتے پر اور اجتماعی مفاد کے تابع پالیسیاں بنا کر ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل کر لی ہے۔ نئے سائنسی تجربات کر کے پاور سیکٹر میں سستی انرجی کرنے میں کمال حاصل کر لیا ہے اور اس سلسلے میں امریکا کو مات دے دی ہے۔ جب کہ دوسری جانب امریکا پچھلے کچھ عرصے سے اس میدان میں مہنگی اور پُرانی ٹیکنالوجی کے اُلجھاؤ میں ہے۔ ایسی صورتِ حال میں حالیہ امریکی الیکشنز کے نتیجے میں بننے والی ٹرمپ انتظامیہ بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مالکان کے سامنے بے بس نظر آتی ہے۔ ٹرمپ کی جانب سے لگائے گئے ان محصولات کا مقصد امریکی ریاست کو بچانے کے بجائے ہائی ٹیک امریکی کمپنیوں کا تحفظ ہے۔

جس طرح کلیسا اور شہنشاہ کے اختیارات اور مفادات میں فرق کرنا مشکل تھا، بالکل اسی طرح آج امریکی ریاست اور امریکی ارب پتی افراد کے مفادات اور اختیارات میں فرق ناممکن ہو چکا ہے۔ عوام اور عوامی مفادات کا کہیں ذکر بھی نہیں ہے، جب کہ ارب پتی ایلون مسک (Elon Musk) ریاستی اداروں کو کمزور کر کے اپنے دائرۂ اثر کو بڑھا رہا ہے۔ امریکا کے اصل دشمن' سرمایہ داری نظام کے یہ داخلی تضادات ہیں، جن کی روشنی میں ''ریاست'' کا مفہوم مبہم ہو چکا ہے۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

خوش خبری

تحریر: مولانا شمس الاسلام، لاہور

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی چالیس علمی و دینی اسناد کا مجموعہ

"مَقَامُ مَحْمُوْد" کی اشاعت

ولی اللّٰہی سلسلے سے وابستہ احباب کے لیے بڑی خوش خبری ہے کہ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ تلمیذ شیخ الہند امام مولانا محمود حسن قدس سرہ۔ کی عربی زبان میں عظیم الشان کتاب "التمهيد لتعريف أئمّة التّجديد" کے پہلے مقالے "مَقَامُ مَحْمُوْد" کا عربی متن شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ العالی کی تحقیق و شرح "إسْنَادٌ مَشْهُوْدٌ فِي شَرْحِ مَقَام مَحْمُوْد" کے عنوان سے طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے۔

حضرت مولانا سندھیؒ نے اس کتاب میں حضرت شیخ الہندؒ کی چالیس علمی و دینی اسناد کو ان کے مختلف اساتذہ سے جمع کیا ہے۔ شارح مدظلہ نے اس کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب ایک طبقہ علم کی اسناد پر مشتمل ہے: پہلا باب: دیوبندی جماعت کے اساطین کی اسانید پر مشتمل ہے۔ ان اساطین سے مراد: مولانا نصیر الدین دہلویؒ، مولانا مملوک العلی نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب دہلویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ اور شیخ صدر الدین دہلویؒ ہیں۔ دوسرا باب ائمۂ ولی اللّٰہیہ کی اسانید پر محیط ہے، جو سیّد احمد شہیدؒ، صدورِ ثلاثہ؛ شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ اور شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، اسی طرح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ان کے والد شاہ عبدالرحیم دہلویؒ اور تین صاحبزادوں؛ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبدالقادر دہلویؒ پر مشتمل ہے۔ تیسرے باب میں ہزارۂ دوم کے مجددین علما کی اسانید بیان کی گئی ہیں، جن میں میر زاہد ابکر آبادیؒ، سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ، شیخ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اور خواجہ باقی باللہ دہلویؒ شامل ہیں۔

ابواب کے ذیل میں فصول بنائی گئی ہیں اور ہر فصل کے شروع میں سند کی مرکزی شخصیت کا تفصیلی تذکرہ بہ طورِ تمہید شامل کیا گیا ہے، جب کہ سند میں موجود دیگر علما کا تعارف حواشی میں موجود ہے۔ کتاب کی ابتدا میں شارح مدظلہ کی جانب سے حضرت سندھیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے تفصیلی حالات، ان کے علمی کارنامے، علما کے ان کی بابت وقیع کلمات اور حضرت سندھیؒ کی وصیت کو شامل کیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں شارح مدظلہ نے دو مفید مُلحقات کا اضافہ کیا ہے، پہلا مُلحَق حضرت شیخ الہندؒ کی جانب سے اپنے تلامذہ کو دی گئی اجازات پر، جب کہ دوسرا مُلحَق حضرت سندھیؒ کی اپنے تلامذہ کو دی گئی اجازات پر مشتمل ہے۔

کل صفحات: 464 (مجلد)۔ عام قیمت: -/2600، رعایتی قیمت: -/1300 روپے

یہ کتاب رحیمیہ بک شاپ، 33/A کوئینز روڈ لاہور سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

رابطہ نمبر: 0332-7203090 (راؤ عتیق الرحمٰن خاں)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال کیا ہم اپنے رشتہ دار کو اس کے کاروبار کے قیام کے لیے زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

تفصیلات: ہمارے ایک رشتہ دار آن لائن ایکسپورٹ کا کاروبار کر رہے تھے، جو پچھلے دو سالوں سے اچھی حالت میں نہیں ہے۔ اس کی فیملی میں بیوی اور دو بچے ہیں۔ گزر بسر کے لیے اس نے کچھ زیورات اور دیگر اثاثے بیچ دیے، جو اس نے کاروبار کے اچھے دنوں میں بنائے تھے۔ اب اس کے پاس آخری اثاثہ ایک پلاٹ ہے، لیکن موجودہ پراپرٹی مارکیٹ کے حالات کے سبب اسے نقصان میں بیچنا پڑے گا۔ اس وقت اسے اپنے کاروبار کو مضبوط کرنے کے لیے مالی مدد کی اشد ضرورت ہے۔ کیا زکوٰۃ کی رقم اسے بہ طور امداد دی جا سکتی ہے؟ یا قرضِ حسنہ کے طور پر دی جائے، تاکہ اگر وہ اگلے سال اس رقم کی ادائیگی کے قابل ہو تو زکوٰۃ کی یہ رقم واپس کر سکے؟

جواب کسی بھی مسلمان کا اپنے "اصول" یعنی: والدین، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ اور "فروع" یعنی: اولاد اور آگے ان کی اولادوں جیسے پوتا پوتی، نواسہ نواسی کو اور اسی طرح میاں بیوی کا ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دیگر رشتہ دار مثلاً بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ، بہنوئی اور بہو کو اگر وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں، یعنی خود صاحبِ نصاب نہیں ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بلکہ یہ دوہرے ثواب کا باعث ہے؛ اس لیے کہ اس میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ صلہ رحمی کا پہلو بھی ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دیکھ لیا جائے کہ جس رشتہ دار کو آپ زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں، اگر وہ خود صاحبِ نصاب نہیں ہے تو آپ اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ اگر وہ صاحبِ نصاب ہے (یعنی: پلاٹ جو فروخت کے لیے ہے، یا اس کے علاوہ ضرورت سے زائد مالیت ہے، یہ سب اگر 7.1/2 تولہ سونے کی قیمت کو پہنچ جائے) تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر زکوٰۃ کی رقم اسے بہ طورِ قرض دیتے ہیں تو محض قرض میں زکوٰۃ کی نیت کر لینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، زکوٰۃ الگ سے ادا کرنا ہوگی، البتہ اگر اس قرضِ حسنہ کی رقم کو زکوٰۃ کے مستحق رشتہ دار سے واپس لے کر دوبارہ زکوٰۃ کی نیت سے اس کو مالک بنا دیا جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(بقیہ: شذرات) ہمیں نہ صرف اپنی افغان پالیسی پر نظر ثانی کرنی ہوگی، بلکہ ماضی کی جہادی پالیسیوں سے بھی مکمل طور پر دست بردار ہونا ہوگا۔ مذہبی انتہا پسندی اور عسکریت پسندی کے خلاف ایک واضح اور سخت مؤقف اختیار کرنا ہی پاکستان کے بہتر مستقبل کی ضمانت ہے۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جعفر ایکسپریس کے مسافروں کے خون سے رنگی ہوئی زمین صرف ایک حادثہ نہیں، بلکہ ایک پیغام ہے کہ اگر ہم نے اپنی غلطیوں سے سبق نہ سیکھا تو مستقبل اس سے بھی زیادہ خوف ناک ہو سکتا ہے۔ کیا ہم واقعی تاریخ کو دُہرانا چاہتے ہیں؟ یا اب کی بار حقیقت کا سامنا کر کے درست فیصلے کرنے کو تیار ہیں؟ (مدیر)

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔